السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میت کی پیشانی پر انگلی سے بسم اللہ لکھنا اور کوئی تبرک چیز مثلاً غلافِ کعبہ کا ٹکڑا کفن پر باندھنا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب بعون الوہاب بشرط صحة السؤال

وعلیکم السلام ورحمة اللہ وبرکاتہ!

الحمد للہ، والصلاة والسلام علیٰ رسول اللہ، أما بعد!

: میت کی پیشانی پر انگلی سے بسم اللہ لکھنا کتاب الٰہی، سنت رسول اللہ ﷺ، اجماعِ صحابہ رضی اللہ عنہم اور قیاسِ مجتہدین سے ہر گز ثابت نہیں ہے ۔ جو فعل ان چاروں میں سے کسی سے بھی ثابت نہ ہو، وہ کام کرنا منع ہے اور اسی طرح کفن پر کوئی چیز لکھنا یا کسی تبرک چیز کا رکھنا بھی جائز نہیں ہے ۔ اگر سوال کیا جائے کہ فقہ کی بعض کتابوں سے لکھنا ثابت ہوتا ہے ، جیسا کہ علامہ فقیہ محمد بن محمد بزازی نے ''فتاویٰ بزازیہ'' میں کہا ہے :

'' وذكر الإمام الصفاء لو كتب على جبهة الميت أو على عمامته أو كفنه عهد نامه، يرجى أن يغفر الله تعالى للميت، ويجعله آمنا من عذاب القبر۔ '' انتهى

'' امام صفا نے لکھا ہے کہ اگر میت کی پیشانی یا پگڑی یا کفن پر عہد نامہ لکھا جائے تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو بخش دیں گے اور اسے عذابِ قبر سے محفوظ رکھیں گے ۔ ''

اور ''فتاویٰ تاتارخانیہ'' میں کہا :

'' يحكى بعض أنه أوصى ابنه إذا مت، وغسلت، فاكتب في جبهتي وصدري : بسم الله الرحمن الرحيم۔ قال : ففعلت، ثم رأيت في المنام وسألت عن حاله، فقال لما وضعت في القبر جاء تني ملائكة العذاب، فلما رأوا مكتوبا على جبهتي وصدري '' بسم الله الرحمن الرحيم '' قالوا : أمنت من العذاب '' انتهى

'' کسی نے اپنے بیٹے کو کہا کہ میں مر جاؤں اور مجھے غسل دے دیا جائے تو میری پیشانی پر بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھ دینا ۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا ۔ پھر خواب میں باپ کو دیکھا اور اس کا حال پوچھا تو اس نے کہا : جب مجھے قبر میں رکھا گیا تو عذاب کے فرشتے آئے ۔ جب انہوں نے میری پیشانی اور سینے پر بسم اللہ لکھی دیکھی تو کہنے لگے تو عذاب سے بچ گیا ۔ ''

اور ابراہیم حلبی صغیری شرح منیہ میں کہتے ہیں :

'' وذكر البزازي عن الصفاء لو كتب على جبهته أو عمامته أو كفنه عهد نامه، يرجى أن يغفر الله تعالى سبحانه ... إلى أن قال : وعن بعض المتقدمين أنه أوصى أن يكتب في جبهته وصدره بسم الله الرحمن الرحيم ... الخ ''

'' اور بزازی نے صفا سے بیان کیا ہے کہ اگر میت کی پیشانی یا اس کے عمامے یا اس کے کفن پر عہد نامہ لکھ دیا جائے تو امید کی جاتی ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اسے بخش دے گا ... حتیٰ کہ اس نے کہا : متقدمین میں سے کسی سے مروی ہے کہ اس نے وصیت کی کہ اس کی پیشانی اور سینے پر بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھا جائے ۔ ''

اور علاؤالدین حصکفی نے درمختار میں کہا :

'' كتب على جبهة الميت أو عمامته أو كفنه عهد نامه، يرجى أن يغفر الله للميت، وأوصى بعضهم أن يكتب في جبهته وفي صدره '' بسم الله الرحمن الرحيم '' ففعل ثم رئي في المنام، فسئل فقال : لما وضعت في القبر جاء تني ملائكة العذاب، فلما رأوا مكتوبا على جبهتي '' بسم الله الرحمن الرحيم '' قالوا : أمنت من عذاب الله ۔ '' انتهى (الدر المختار ۲ ۲۴۶)

'' میت کی پیشانی یا اس کے عمامے یا اس کے کفن پر عہد نامہ تحریر کرنے سے امید کی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ میت کو معاف کر دے گا اور کسی نے یہ وصیت کی کہ اس کی پیشانی اور سینے پر '' بسم اللہ الرحمن الرحیم '' لکھا جائے تو اس کے فوت ہونے کے بعد ایسے ہی کیا گیا، پھر اسے خواب میں دیکھا گیا اور اس سے پوچھا گیا (تیرے ساتھ قبر میں کیا معاملہ کیا گیا) تو اس نے جواب دیا : جب مجھے قبر میں رکھا گیا تو میرے پاس عذاب والے فرشتے آئے ، مگر جب انھوں نے میری پیشانی پر '' بسم اللہ الرحمن الرحیم '' لکھا ہوا دیکھا تو انھوں نے (مجھے) کہا : تو اللہ کے عذاب سے بچا لیا گیا ہے ۔ ''

اور ابن عابدین نے '' رد المختار '' میں کہا :

'' قوله : يرجى ... الخ مفاده الإباحة أو الندب، وفي البزازية قبيل كتاب الجنايات : وذكر الإمام الصفاء لو كتب على جبهة الميت أو على عمامته وكفنه عهد نامه، يرجى أن يغفر الله للميت، ويجعله آمنا من العذاب، قال نصير : هذه رواية في تجويز ذلك، وإن الفقيه ابن عجيل كان يأمر به، ثم أفتى بجواز كتابته قياسا على كتابة '' لله '' في إبل الزكوة، وأقره بعضهم '' انتهى مختصرا (رد المختار ۲ ۲۴۶)

'' (درمختار کے مصنف کا) یہ قول '' يُرجىٰ '' اس سے زیادہ سے زیادہ اس عمل کے مباح یا مندوب ہونے کا پتا چلتا ہے اور بزازیہ میں کتاب الجنایات سے تھوڑا پہلے مرقوم ہے : امام صفا کا یہ ذکر کرنا کہ اگر میت کی پیشانی پر یا اس کے عمامے پر اور کفن پر عہد نامہ تحریر کیا جائے تو امید کی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس میت کو بخش دے گا اور اسے عذابِ قبر سے محفوظ فرمالے گا ۔ نصیر نے کہا : اس روایت سے مذکورہ عمل کے جائز ہونے کا ثبوت ملتا ہے ۔

فقیہ ابن عجیل اس کے لکھنے کا حکم دیا کرتے تھے، پھر انھوں نے زکوٰۃ کے اونٹ پر ''للہ'' لکھنے پر قیاس کرتے ہوئے میت پر عہدنامہ لکھنے کے جواز کا فتویٰ دیا اور بعض نے اس کو درست کہا۔''

اور بھی ''ردالمختار'' میں کہا:

''نقل بعض المحشين عن فوائد الشرجي أن مما يكتب على جبهة الميت بغير مداد بالأصبع المسبحة'' بسم الله الرحمن الرحيم'' وعلى الصدر'' لا إله إلا الله محمد رسول الله'' وذلك بعد الغسل قبل التكفين'' انتهى (ردالمحتار ۲/ ۲۴۷)

''بعض حاشیہ نگاروں نے فوائد شرجی سے نقل کیا ہے کہ میت کی پیشانی پر بغیر روشنائی کے انگشتِ شہادت کے ساتھ ''بسم اللہ الرحمن الرحیم'' لکھا جائے اور سینے پر ''لاالٰہ الااللہ محمد رسول اللہ'' لکھا جائے۔ یہ عمل میت کو غسل دینے کے بعد اور کفن پہنانے سے پہلے کیا جائے۔''

اور مولانا محمد اسحق کی ''مائۃ مسائل'' میں مذکور ہے:

''اور کتاب درہم الکیس فارسی میں لکھا ہے: بغیر روشنائی کے صرف انگلی سے لکھا جائے۔ اسی طرح مفتاح الجنان اور کفایہ شعبی میں بھی ہے۔ پس ان روایات سے ثابت ہوا کہ میت کی پیشانی پر بغیر سیاہی یا سیاہی کے ذریعے بسم اللہ لکھنا اور سینہ و کفن پر بھی لکھنا جائز ہے اور میت کی نجات کا سبب ہے۔''

میں بفضل اللہ العلام کہتا ہوں:

ادلہ اربعہ میں سے کوئی دلیل بھی مذکورہ کتابوں میں نقل نہیں کی گئی، اس کی بنا صرف قیاس فاسد پر ہے یا پھر خواب پر۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ دعائیں اور اذکار اور ان کو ادا کرنے کا طریقہ توقیفی ہے۔ لہٰذا شارع سے ثابت شدہ صورت کے علاوہ کسی طرح ان کو ادا کرنا کیسے جائز ہو سکتا ہے؟ اسی طرح اس پر اجر کا حکم اللہ و رسول ﷺ کی طرف سے ہوتا ہے۔ کسی کے پاس یہ اختیار نہیں کہ اس کا فیصلہ کرے۔

شیخ جلال الدین سیوطی اپنے فتوے میں کہتے ہیں:

''الأذكار توقيفية، وترتب الأجر عليها ومقداره توقيفي، فمن أتى بذكر أو دعاء لم يرد فليس لأحد أن يحكم عليه بشيء من الأجر بمقدار معين، لأن ذلك مرجعه إلى النبي ﷺ وحده'' انتهى

''اذکار توقیفی ہیں اور ان کے پڑھنے سے اجر و ثواب ملتا ہے اور ثواب کتنا ملتا ہے، اس کی مقدار بھی توقیفی امر ہے، لہٰذا جس شخص نے غیر ثابت شدہ ذکر کیا یا دعا کی تو کسی کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اس پر کسی قسم کے معین مقدار میں اجر و ثواب کے ملنے کا فیصلہ صادر فرمائے، کیونکہ اس پر اجر کا حکم صرف نبی ﷺ کی طرف سے ہوتا ہے۔''

اور ''ردالمختار'' میں فرمایا:

'' والقول بأنه يطلب فعله مردود، لأن مثل ذلك لا يحتج به إلا إذا صح عن النبي ﷺ طلب ذلك، وليس كذلك'' انتهى ما في كتاب الجنائز في مطلب فيما يكتب على كفن الميت'' (ردالمحتار ۲/ ۲۴۶)

''یہ قول کہ ''اس (میت کے کفن پر لکھنے) کا فعل مطلوب و مرغوب'' مردود ہے، کیونکہ اس طرح کی چیزوں کو اس وقت تک حجت بنانا جائز نہیں ہے، جب تک نبی اکرم ﷺ سے اس کا طلب کرنا صحیح سند کے ساتھ ثابت نہ ہو، جبکہ آپ ﷺ سے مذکورہ طلب ثابت نہیں ہے۔''

بعض چیزیں بہ ظاہر دیکھنے میں عبادت و موجب اجر معلوم ہوتی ہیں، لیکن چونکہ وہ منقول نہیں ہیں، لہٰذا منع ہیں۔ چنانچہ علامہ فقیہ برہان الدین مرغینانی ''ہدایہ'' میں کہتے ہیں:

''يكره أن يتنفل بعد طلوع الفجر بأكثر من ركعتي الفجر، لأنه عليه السلام لم يزد عليهما مع حرصه على الصلاة'' انتهى (الهداية للمرغيناني، ص: ۴۲)

''طلوعِ فجر کے بعد فجر کی دو رکعت (سنتوں) سے زیادہ نفل ادا کرنا مکروہ ہے، کیونکہ آپ ﷺ نے نماز کی حرص اور لالچ کے باوجود اس وقت میں ان دو رکعتوں سے زیادہ نفل ادا نہیں کیے۔''

صبح طلوع ہونے کے بعد آنحضرت ﷺ سے صرف دو رکعت سنت ثابت ہیں۔ اب اگر کوئی زیادہ پڑھے تو ناجائز ہوگا، حالانکہ نماز فی نفسہٖ بہت اچھی چیز ہے۔

اور بھی اس میں فرمایا:

''لا يتنفل في المصلى قبل صلاة العيد، لأنه عليه السلام لم يفعل ذلك مع حرصه على الصلاة'' انتهى (الهداية للمرغيناني، ص: ۸۴)

عید گاہ میں نفل چونکہ آنحضرت ﷺ سے ثابت نہیں ہیں اگر وہاں نفل پڑھے تو جائز نہ ہوگا۔

اور فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہے:

''قراءة الكافرون إلى الآخر مع الجمع مكروهة، لأنها بدعة، لم ينقل ذلك عن الصحابة والتابعين، كذا في المحيط.'' انتهى (الفتاوىٰ الهندية [فتاوى عالمگیری]، ۵/ ۳۱۷)

''سورت ''قل یا أیہا الکفرون'' سے لے کر آخر تک ایک ہی رکعت میں نہ پڑھے کیوں کہ یہ بدعت ہے اور صحابہ و تابعین سے ثابت نہیں۔''

صدقے کے اونٹوں پر قیاس کر کے لکھنا قیاس مع الفارق ہے، کیونکہ اونٹوں پر جو لکھا جاتا ہے، وہ علامت کے لیے لکھا جاتا ہے اور یہاں جو کچھ لکھا جاتا ہے، وہ تبرک اور نجات کے لیے لکھا جاتا ہے۔ پھر وہاں بے ادبی کا امکان نہیں اور یہاں پیپ وغیرہ میں ملوث ہونے کا یقین ہے۔

ابن عابدین نے ''ردالمختار'' میں کہا ہے :

'' والقیاس المذکور ممنوع بأن القصد ثم التمیز، وھھنا التبرک، فالأسماء المعظمة باقیة علی حالھا فلا یجوز تعرضھا للنجاسة۔'' انتھی (ردالمحتار ۲ ۲۴۶)

'' (اوراونٹوں پر قیاس کرکے لکھنے والا) مذکورہ قیاس ممنوع (قیاس مع الفارق) ہے، کیونکہ اونٹوں پر جو لکھا جاتا ہے وہ علامت کے لیے لکھا جاتا ہے اور یہاں جو لکھا جاتا ہے وہ تبرک کے لیے لکھا جاتا ہے۔ (پھر اونٹوں پر لکھنے سے بے ادبی کا امکان نہیں جبکہ یہاں) اسمائے معظمہ اپنی حالت پر لکھے ہوئے باقی رہتے ہیں، لہٰذا ان کو نجاست سے ملوث ہونے کے لیے باقی چھوڑنا جائز نہیں ہے۔''

پھر یہ بھی دیکھیں کہ بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو اس کے کانوں میں اذان کہتے ہیں کہ وہ اس کی زندگی کی ابتدا تھی۔ اسی پر انتہا کو قیاس کرتے ہوئے بعض لوگوں نے دفن کے وقت بھی اذان کہنا شروع کردیا تو اکثر فقہا نے اس اذان کو دین میں بدعت قرار دیا۔

چنانچہ ابن عابدین نے ''ردالمختار'' میں کہا ہے :

'' لا یسن الأذان عند إدخال المیت فی قبرہ کما ھو المعتاد الآن، وقد صرح ابن حجر فی فتاویہ ببدعته، وقال : من ظن أنه سنة، قیاسا علی ندبھما للمولود، إلحاقا لخاتمة الأمر بابتدائه، فلم یصب۔'' انتھی (ردالمحتار ۲ ۲۵۵)

''میت کو اس کی قبر میں اتارتے وقت اذان کہنا مسنون عمل نہیں ہے، جیسے کہ اب لوگوں میں یہ عمل متداول ہے۔ ابن حجر نے اپنے فتاویٰ میں اس عمل کے بدعت ہونے کی صراحت کرتے ہوئے کہا ہے کہ جس شخص نے نومولود کے کانوں میں اذان واقامت کہنے کے مندوب ہونے پر قیاس کرتے ہوئے اور انسان کے خاتمے کو اس کی ابتدا سے جوڑتے ہوئے اس اذان کے مسنون ہونے کا گمان کیا ہے، اس کا یہ گمان درست نہیں ہے۔''

نیز لکھتے ہیں :

'' وقد صرح بعض علمائنا وغیرھم بکراھة المصافحة المعتادة عقب الصلوة، مع أن المصافحة سنة، وما ذلک إلا لکونھا لم تؤثر فی خصوص ھذا الموضع، فالمواظبة علیھا فیه توھم العوام بأنھا سنة فیه، ولذا منعوا عن الاجتماع لصلوة الرغائب التی أحدثھا بعض المبتدعین، لأنھا لم تؤثر علی ھذہ الکیفیة فی تلک اللیالی المخصوصة، وإن کانت الصلوة خیر موضوع'' انتھی (ردالمحتار ۲ ۲۳۵)

''ہمارے بعض علمائے کرام وغیرہ نے مصافحے کے مسنون ہونے کے باوجود نماز کے بعد مروجہ مصافحے کے مکروہ ہونے کی صراحت کی ہے، کیونکہ اس خاص موقع پر مصافحہ کرنا ثابت نہیں ہے۔ اس میں ایک خرابی یہ بھی ہے کہ اگر یہ کام مستقل طور پر کیا جائے تو عوام کو یہ خیال ہوگا کہ یہ عمل مسنون ہے۔ اسی لیے علما نے اس ''صلوۃ رغائب'' پڑھنے کے لیے جمع ہونے سے منع فرمایا ہے، جسے بعض بدعتیوں نے ایجاد کیا ہے، کیونکہ ان مخصوص راتوں میں اس کیفیت کے ساتھ نماز ادا کرنا شریعت میں ثابت نہیں ہے، اگرچہ نماز پڑھنا ایک اچھا عمل ہے۔''

اسی طرح عمدۃ المحدثین استاذ الاساتذہ مولانا محمد اسحاق دہلوی نے ''مائۃ مسائل'' میں تصریح فرمائی ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ انبیا کے علاوہ کسی کا خواب شرع میں حجت نہیں ہے اور اس سے احکام شرعیہ ثابت نہیں ہوتے۔

شیخ الاسلام جمال المسلمین علامہ شمس الدین کرمانی نے ''کواکب الداري شرح صحیح البخاري'' میں حدیث : ''قال عروۃ وثویبة مولاۃ لأبی لھب : کان أبو لھب أعتقھا، أرضعت النبی ﷺ فلما مات أبو لھب، رآہ بعض أھله ... الخ'' کے تحت فرمایا :

'' فإن قلت : فیه دلیل علی أن الکافر ینفعه العمل العمل، فقد قال اللہ تعالی : فَجَعَلْنَاہُ ھَبَاءً ... الآیة قلت : لا، إذ الرؤیا لیست بدلیل۔'' انتھی (الکواکب الدراري للکرمانی ۱۹ ۷۹)

''اگر تم کہو کہ مذکور حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ کافر کو اس کا (نیک) عمل فائدہ دیتا ہے، باوجود اس کے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : فَجَعَلْنَاہُ ھَبَاءً ... الآیة تو میں کہوں گا کہ نہیں اسے اس کا فائدہ نہیں ہوتا، کیونکہ (لوگوں کا) خواب دلیل نہیں بنتا ہے۔''

حجۃ الاسلام حافظ ابن حجر نے ''فتح الباری شرح صحیح بخاری'' میں کہا ہے :

'' وفی الحدیث دلالة علی أن الکافر قد ینفعه العمل الصالح فی الآخرۃ، لکنه مخالف لظاھر القرآن، قال اللہ تعالی : وَقَدِمْنَا إِلَىٰ مَا عَمِلُوا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَاہُ ھَبَاءً مَّنثُورًا وأجیب أولا بأن الخبر مرسل، أرسله عروۃ، ولم یذکر من حدثه؟ وعلی تقدیر أن یکون موصولا فالذی فی الخبر رؤیا منام فلا حجة فیه۔'' انتھی (فتح الباري لابن حجر ۹ ۱۴۵)

''مذکورہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ کافر کو آخرت میں نیک عمل کا فائدہ ہوگا، مگر یہ بات قرآن مجید کے ظاہری مفہوم کے خلاف ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے : وَقَدِمْنَا إِلَىٰ مَا عَمِلُوا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَاہُ ھَبَاءً مَّنثُورًا سب سے پہلے اس کا جواب یہ ہے کہ مذکورہ خبر مرسل ہے جسے عروہ نے مرسل بیان کیا ہے اور انھوں نے یہ ذکر نہیں کیا کہ انھیں یہ خبر کس نے بیان کی ہے؟ اگر مذکورہ خبر کا موصول ہونا مان بھی لیا جائے تو اس خبر میں زیادہ سے زیادہ نیند میں ایک خواب دیکھنے کا ذکر ہے جو حجت نہیں ہے۔''

علامہ قسطلانی نے ''إرشاد الساری'' میں کہا ہے :

'' استدل بھذا علی أن الکافر قد ینفعه العمل الصالح فی الآخرۃ، وھو مردود بظاھر قوله : وَقَدِمْنَا إِلَىٰ مَا عَمِلُوا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَاہُ ھَبَاءً مَّنثُورًا لاسیما والخبر مرسل، أرسله عروۃ، ولم یذکر من حدثه به، وعلی تقدیر أن یکون موصولا فلا یحتج به، إذ ھو رؤیا منام، لا یثبت به حکم شرعی۔'' انتھی (إرشاد الساری للقسطلانی ۸ ۳۱)

''اس روایت سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ آخرت میں کافر کو اس کا نیک عمل فائدے دے گا، جبکہ یہ استدلال مندرجہ ذیل فرمانِ باری تعالیٰ کے ظاہری مفہوم کے ساتھ مردود ہے : وَقَدِمْنَا إِلَىٰ مَا عَمِلُوا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَاہُ ھَبَاءً مَّنثُورًا خصوصاً جبکہ مذکورہ روایت مرسل ہے، جسے عروہ نے مرسل بیان کیا ہے اور انھوں نے یہ ذکر ہی نہیں کیا کہ انھیں یہ روایت کس نے بیان کی ہے۔ بالفرض یہ روایت موصول بھی ہو، پھر بھی اس سے مذکورہ استدلال کرنا

جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ روایت محض ایک خواب ہے اور اس کے ساتھ شرعی حکم ثابت نہیں ہوتا۔''

اور مندرجہ بالا تشریحات میں ''شرح منار النسفی'' میں کہا ہے:

''ولا اعتبار بإلهام غير النبي ورؤياه'' انتهى

''غیر نبی کے الہام اور خواب کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔''

مذکورہ تمام افراد جو جواز کو نقل کرنے والے ہیں، مثلاً ابراہیم حلبی و علاؤالدین حصکفی و صاحب تاتارخانیہ و صاحب فوائد الشرجی و صاحب درہم الکیس وغیرہ رحمہم اللہ، یہ سب فتاوی بزازیہ سے نقل کرتے ہیں، جو خود محتاج دلیل ہے۔ جب کہ وہ ادلہ اربعہ سے کوئی دلیل نہیں ہے۔ فلا یلتفت إليه۔

اور جزائے خیر ملے علامہ حافظ عثمان بن عبدالرحمن الشهير بابن الصلاح کو، کہ انھوں نے اس کے عدم جواز کا فتویٰ دیا ہے۔ چنانچہ ''ردالمحتار'' میں ہے:

''وقد أفتى ابن الصلاح بأنه لا يجوز أن يكتب على الكفن يٰسين والكهف ونحوهما، خوفا من صديد الميت۔'' انتهى (ردالمحتار ۲ ۲۴۶)

''اور ابن الصلاح نے فتویٰ دیا ہے کہ میت کے کفن پر سورت یٰسین، سورت کہف اور ان جیسی دیگر سورتیں لکھنا جائز نہیں ہے، کیونکہ ان کے میت کی پیپ وغیرہ میں ملوث ہونے کا خدشہ ہے۔''

اور ردمحتار میں یہ بھی ہے:

''وقدمنا قبيل باب المياه عن الفتح أنه تكره كتابة القرآن وأسماء الله تعالى على الدراهم والمحاريب والجدران وما يفرش، وما ذاك إلا لاحترامه وخشية وطئه ونحوه، مما فيه إهانته، فالمنع هنا بالأولى ما لم يثبت عن المجتهد أو ينقل فيه حديث ثابت۔'' انتهى (ردالمحتار ۲ ۲۴۶)

''اور ہم نے باب المیاہ سے تھوڑا پہلے یہ ذکر کیا ہے کہ درہموں، عمارتوں، دیواروں اور بچھائی جانے والی چیزوں پر قرآنی آیات اور اللہ تعالیٰ کے نام لکھنا مکروہ ہے، اس لیے کہ ان کے احترام کا یہی تقاضا ہے کہ انھیں اس طرح کی چیزوں اور جگھوں میں نہ لکھا جائے، کیونکہ خدشہ ہوتا ہے کہ انھیں روندھا جائے اور ایسا کرنے میں ان کی توہین کا پہلو نکلتا ہے۔ لہٰذا کفن پر ان کو لکھنا بالاولیٰ منع ہے، کیونکہ ایسا کرنا کسی حدیث سے ثابت ہے اور نہ کسی مجتہد سے منقول ہے۔''

اور طحطاوی نے درالمختار کے حاشیہ میں کہا:

''قوله: كتب على جبهته... الخ أخذ من ذلك جواز الكتابة ولو بالقرآن، ولم يعتبروا كون آله إلى التنجس بما يسيل من الميت، والنظر هذا مع كراهتهم الكتابة على المراوح وجدر المساجد۔''

''یہ قول: میت کی پیشانی پر کچھ لکھنا... الخ اس سے لکھنے کے جواز کو لیا گیا ہے خواہ وہ قرآن ہی لکھا جائے۔ اور انھوں نے اس بات کو کوئی اہمیت نہیں دی ہے کہ ایسا کرنے سے میت سے نکلنے والی پیپ وغیرہ سے ان لکھی ہوئی آیاتِ قرآنیہ وغیرہ کے ملوث ہونے کا خدشہ ہوتا ہے، جبکہ دوسری طرف وہ پنکھوں اور مساجد کی دیواروں پر آیات وغیرہ لکھنے کو مکروہ سمجھتے ہیں۔''

اسی طرح فوائد الفوائد میں بھی عدم جواز کی تصریح ہے۔ پس ہمارے مدعا یعنی پیشانی، سینے اور کفن پر لکھنے کے عدم جواز کے اثبات کے لیے ابن عابدین کا قول: ''فالمنع هنا بالأولى ما لم يثبت عن المجتهد أو ينقل فيه حديث ثابت'' کافی ہے، اگرچہ ابن عابدین نے اس عبارت کو سیاہی سے کتابت کی صورت میں کہا ہے، مگر صحیح بات یہ ہے کہ دین سے متعلق جو بھی عمل ہو، شرع سے اس کی اجازت ہونی چاہیے، ورنہ عمل نہیں کرنا چاہیے۔ اگرچہ بہ ظاہر وہ کتنا ہی اچھا عمل لگتا ہو، یہی اس مسئلے میں انتہائی تحقیق ہے اور اللہ تعالیٰ ہی حقیقتِ حال کو سب سے بہتر جانتے ہیں۔

صورت ثانیہ کا تحقیقی جواب یہ ہے کہ روایات سے معلوم ہو گیا کہ کعبہ کے پردہ کا وجود خلفائے راشدین کے دور میں تھا اور کسی نے اس پر اعتراض نہیں کیا۔ چنانچہ علامہ کرمانی نے شرح صحیح بخاری میں ''باب كسوة الكعبة'' کے تحت کہا:

''قلت: لعل الكعبة كانت مكسوة وقت جلوس عمر، فحيث لم ينكره، وقررها، دل على جوازها۔'' انتهى (الكواكب الدراري للكرماني ۸ ۱۱۵)

''میں کہتا ہوں: شاید عمر رضی اللہ عنہ کے تختِ خلافت پر بیٹھنے کے وقت کعبہ کو غلاف پہنایا گیا تو انھوں نے اس کا انکار نہیں کیا، بلکہ اسے برقرار رکھا تو ان کا ایسا کرنا اس کے جواز پر دلالت کرتا ہے۔''

اسی طرح عینی کی آنے والی روایت سے معلوم ہوگا، مگر کعبے کے پردہ کا خریدنا، بیچنا، کاٹنا، لے جانا، اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ بعض اس کے جواز اور بعض عدم جواز کے قائل ہیں۔

چنانچہ علامہ بدرالدین عینی نے ''عمدة القاری شرح بخاری'' میں اس باب سے متعلق فرمایا ہے:

''قال صاحب التلخيص: لا يجوز بيع أستار الكعبة المشرفة، وكذا قال أبو الفضل بن عبدان: لا يجوز قطع أستارها، ولا قطع شيء من ذلك، ولا يجوز نقله وبيعه ولا شراؤه، وما يفعله العامة يشترونه من بني شيبة لزمه رده، ووافقه على ذلك الرافعي، وقال ابن الصلاح: الأمر فيها إلى الإمام، يصرفه في مصارف بيت المال بيعا وعطاء، واحتج بما ذكره الأزرقي أن عمر كان ينزع كسوة الكعبة كل سنة فيقسمها على الحجاج، وعند الأزرقي عن ابن عباس وعائشة رضي الله عنهما أنهما قالا: ولا بأس أن يلبس كسوتها من صارت إليه من حائض وجنب وغيرهما۔'' انتهى (عمدة القاري للعيني ۹ ۲۳۷)

''صاحبِ تلخیص نے کہا ہے کہ کعبہ شریف کے پردے اور غلاف کو بیچنا جائز نہیں ہے۔ ایسے ہی ابوالفضل بن عبدان نے کہا ہے کہ کعبہ کے پردے کو کاٹنا جائز نہیں ہے، لہٰذا اس کے کسی حصے کو مت کاٹا جائے اور نہ ہی اسے کہیں لے جانا، بیچنا اور خریدنا جائز ہے۔ یہ جو عوام الناس بنوشیبہ سے اسے خریدتے ہیں، ضروری ہے کہ اسے ممنوع قرار دیا جائے۔ رافعی نے بھی اس موقف میں ان کی موافقت کی ہے اور ابن الصلاح نے کہا ہے: اس کا

معاملہ امام وقت کے سپرد کیا جائے، وہ بیت المال کے مصارف میں اس کی فروخت اور عطیے میں جیسے چاہے تصرف کرے۔ انھوں نے ازرقی کے ذکر کردہ اس عمل سے دلیل لی ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ ہر سال کعبہ کا پردہ اور غلاف اتار کر حجاج کرام میں تقسیم کر دیتے تھے۔ ازرقی کے ہاں ابن عباس اور عائشہ رضی اللہ عنہم سے مروی روایت ہے کہ ان دونوں نے کہا: کعبے کا غلاف ہر اس فرد کے لیے پہننے میں کوئی حرج نہیں، جسے بھی وہ نصیب ہو جائے، خواہ وہ حائضہ عورت اور جنبی وغیرہ ہوں۔''

جو لوگ کعبہ کے پردے کی خرید و فروخت کے قائل ہیں، وہ اس کو تبرک کے لیے میت کے کفن کے لیے بھی جائز سمجھتے ہیں۔ دلیل یہ ہے کہ رسول ﷺ کے کپڑے میں تبرک کے لیے کفن دیا جانا ثابت ہے۔ حافظ الحدیث حجۃ اللہ فی الارض امام المحدثین محمد بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں خود روایت فرمایا:

''عن عبداللہ بن عمر أن عبداللہ بن أبی لما توفی جاء ابنہ إلی النبی ﷺ فقال: أعطنی قمیصک أکفنہ فیہ، وصل علیہ، واستغفر لہ، فأعطاہ قمیصہ'' رواہ البخاری۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث ۱۲۱۰)

''عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب عبداللہ بن اُبی فوت ہو گیا تو اس کا بیٹا (جو مسلمان تھا) نبی اکرم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کی: (اے اللہ کے رسول ﷺ!) مجھے اپنی قمیص عطا کیجیے، تاکہ میں اس میں اپنے باپ کو کفن دوں اور اس کی نمازِ جنازہ بھی پڑھا دیجیے اور اس کے لیے استغفار کیجیے، تو آپ ﷺ نے اسے اپنی قمیص عطا کر دی۔ اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔''

''عن سھل أن امرأۃ جاءت النبی ﷺ ببردۃ منسوجۃ فیھا حاشیتھا، أتدرون ما البردۃ؟ قالوا: الشملۃ، قال: نعم، قالت: نسجتھا بیدی فجئت لأکسوکھا، فأخذھا النبی ﷺ محتاجا إلیھا، وأنھا إزارہ، فحسنھا فلان، فقال: اکسنیھا ما أحسنھا، فقال القوم: ما أحسنت! لبسھا النبی ﷺ محتاجا إلیھا، ثم سألتہ، وعلمت أنہ لا یرد سائلا، قال: إنی واللہ ما سألتہ لألبسہ، وإنما سألتہ لتکون کفنی، قالت: فکانت کفنہ'' رواہ البخاری۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث ۱۲۱۸)

''سہل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک عورت نبی کریم ﷺ کے پاس ایسی چادر لائی جس کے کناروں پر حاشیہ بنا ہوا تھا (راوی حدیث سہل رضی اللہ عنہ نے پوچھا) جانتے ہوئے ''بردہ'' کسے کہتے ہیں، شاگردوں نے کہا: چادر کو کہتے ہیں۔ فرمانے لگے: ہاں! اس عورت نے عرض کی: میں نے یہ چادر اپنے ہاتھ سے بُنی ہے اور میں آپ ﷺ کو پہنانے کے لیے لائی ہوں۔ نبی کریم ﷺ کو اس کی ضرورت تھی، سو آپ ﷺ نے وہ لے لی اور اسی کو بطور تہبند پہن کر باہر نکلے۔ کسی صحابی نے اس کی تحسین و تعریف کی اور کہا: کیا عمدہ چادر ہے (یا رسول اللہ ﷺ!) یہ مجھے عنایت کر دیجیے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسے کہا: نبی اکرم ﷺ نے یہ چادر پہنی اس حال میں کہ آپ ﷺ کو اس کی ضرورت تھی، لہٰذا تُو نے اچھا نہیں کیا، جو آپ ﷺ سے یہ چادر مانگی اور تم جانتے بھی ہو کہ آپ ﷺ کسی کا سوال رد نہیں کرتے۔ اس نے کہا: اللہ کی قسم! میں یہ چادر اس لیے تھوڑے مانگی ہے کہ میں اسے پہنوں۔ میں نے تو صرف اس لیے مانگی ہے کہ یہ میرا کفن بنے۔ سو وہ چادر اس کا کفن بنائی گئی۔ اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔''

''قال عمرو: سمعت جابر بن عبداللہ، قال أتی رسول اللہ ﷺ عبداللہ ابن أبی بعد ما أدخل حفرتہ، فأمر بہ فأخرج، فوضعہ علی رکبتیہ ونفث فیہ من ریقہ، وألبسہ قمیصہ'' رواہ البخاری۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث ۱۲۸۵)

''عمرو نے کہا: میں نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے سنا، فرماتے تھے: رسول اللہ ﷺ عبداللہ بن اُبی کے پاس اس وقت تشریف لائے جب اس کی لاش قبر میں رکھ دی گئی تھی، آپ ﷺ نے اسے نکالنے کا حکم دیا، سو اسے نکالا گیا، آپ ﷺ نے اسے اپنے گھٹنوں پر رکھا اور اس پر اپنا تھوک ڈالا اور اسے اپنی قمیص پہنائی۔ اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔''

''عن أم عطیۃ قالت: توفیت إحدی بنات النبی ﷺ فأتانا النبی ﷺ فقال: اغسلنھا بالسدر وترا ثلاثا أو خمسا أو أکثر من ذلک إن رأیتن ذلک بماء وسدر واجعلن فی الآخرۃ کافورا أو شیئا من کافور، فإذا فرغتن فآذننی فلما فرغنا آذناہ، فألقی إلینا حقوہ، فضفرنا شعرھا ثلاثۃ قرون وألقیناھا خلفھا'' رواہ البخاری۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث ۱۲۰۴)

''ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی ﷺ کی ایک بیٹی کا انتقال ہو گیا تو نبی ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا: اسے بیری (ڈال کر پانی) سے طاق مرتبہ غسل دو۔ تین مرتبہ یا پانچ مرتبہ یا اگر ضرورت محسوس کرو تو اس سے زیادہ مرتبہ پانی اور بیری کے ساتھ اور آخر میں کافور یا تھوڑا سا کافور شامل کر دو۔ جب تم غسل دے چکو تو مجھے اطلاع کر دینا۔ جب ہم اس کے غسل سے فارغ ہو چکے تو ہم نے آپ ﷺ کو اطلاع دی، آپ ﷺ نے اپنا تہبند ہماری طرف پھینکا (تاکہ ہم اس کے ساتھ کفن دیں) ہم نے ان کے بالوں کی تین چوٹیاں بنا کر ان کی پِٹھ کے پیچھے ڈال دیں۔ اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔''

البتہ کفن مسنون سے ایک ٹکڑا بھی زیادہ کرنا خلاف سنت ہے۔ اس لیے تو علماء نے میت کے لیے عمامہ کو مکروہ کہا ہے کہ یہ سنت سے ثابت نہیں ہے۔ بخاری عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں:

''عن عائشۃ رضی اللہ عنھا أن رسول اللہ ﷺ کفن فی ثلاثۃ أثواب بیض لیس فیھا قمیص ولا عمامۃ'' رواہ البخاری۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث ۱۲۱۳)

''رسول اللہ ﷺ کو تین سفید کپڑوں میں کفن دیا گیا۔ ان میں قمیص اور عمامہ نہیں تھا۔''

قاضی حسین بن منصور نے ''فتاویٰ قاضی خان'' میں کہا ہے:

''أکثر ما یکفن فیہ الرجل ثلاثۃ أثواب، لیس فیھا عمامۃ عندنا'' انتھی (دیکھیں: فتاویٰ قاضی خان ۱ ۱۶۰)

''کفن میں تین کپڑے ہیں، جن میں ہمارے مذہب کے مطابق پگڑی نہیں ہے۔''

اور علامہ زین بن نجیم نے ''بحر الرائق شرح کنز الدقائق'' میں کہا:

''وفی المجتبی: وتکرہ العمامۃ فی الأصح'' انتھی (البحر الرائق ۲ ۱۸۹)

''اور مجتبیٰ میں ہے: کفن میں پگڑی کا ہونا اصح قول کے مطابق مکروہ ہے۔''

اور محمد بن عبداللہ الغزی نے ''تنویر الابصار'' میں کہا:

''وتکرہ العمامۃ للمیت فی الأصح'' (تنویر الأبصار، لوح: ۴۵، مخطوط)

''اصح قول کے مطابق میت کے لیے پگڑی مکروہ ہے۔''

اور قہستانی نے ''جامع الرموز'' میں کہا:

''والأصح أنه يكره العمامة كما في الزاهدي'' انتهى (جامع الرموز (شرح مختصر الوقاية المسمى بالنقاية) للقهستاني، ص: ١٥٧)

''اور اصح موقف یہ ہے کہ کفن میں پگڑی مکروہ ہے، جیسا کہ زاہدی میں ہے۔''

کعبہ کے پردے کا ٹکڑہ میت کے کفن میں رکھنا جائز نہیں، اس لیے کہ میت کے ساتھ قبر میں سوائے کفن کے کچھ بھی نہ رکھنا سنت ہے اور یہ ٹکڑا رکھنا سنت کو ختم کر دیتا ہے۔ لہٰذا یہ بدعت ہے۔ اسی طرح مشائخِ تصوف جو قبر میں میت کے ساتھ پودا وغیرہ رکھتے ہیں، یہ بھی مذکورہ دلیل کی وجہ سے بدعت ہے۔

نیز حدیث شریف میں آیا ہے:

''عن غضيف بن الحارث الثمالي قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: ما أحدث قوم بدعة إلا رفع مثلها من السنة، فتمسك السنة خير من إحداث بدعة۔'' رواه أحمد۔ (مسند أحمد ٤ ١٠٥۔ اس کی سند میں ''ابو بکر بن ابی مریم'' راوی ضعیف ہے)

''غضیف بن حارث ثمالی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو لوگ کوئی بدعت اختیار کرتے ہیں تو ان سے اسی قدر سنت اٹھا لی جاتی ہے۔ لہٰذا سنت کو تھامنا بدعت اختیار کرنے سے بہتر ہے۔ اسے احمد نے روایت کیا ہے۔''

دونوں جوابوں کا خلاصہ یہ نکلا کہ میت کی پیشانی یا کفن پر بسم اللہ وغیرہ لکھنا، انگلی یا سیاہی سے، اور کعبے کے پردے کا ٹکڑہ کفن میں رکھنا بدعت ہے۔ مسلمان اسے اسلام سے ثابت شدہ سمجھ کر کرتے ہیں، حالانکہ یہ ثابت شدہ نہیں ہے۔

امامان حافظان بخاری و مسلم عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں:

''عن عائشة قالت قال رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد'' متفق عليه۔ (صحيح البخاری، رقم الحديث (٢٥٥٠) صحيح مسلم، رقم الحديث١٧١٨)

''عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے کوئی ایسا کام کیا جو دین میں نہیں ہے، وہ کام اللہ کے ہاں مردود ہے۔ اسے بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے۔''

''من عمل عملا ليس عليه أمرنا فهو رد'' رواه البخاري۔ (صحيح البخاري ٦ ٢٦٧٥، صحيح مسلم، رقم الحديث١٧١٨)

''جس نے کوئی ایسا کام کیا جس کی بنیاد شریعت میں نہیں وہ کام مردود ہے۔ اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔''

''عن عبد الله بن مسعود رضي الله عنه أن رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال: إنما هما اثنتان: الكلام والهدي، فأحسن الكلام كلام الله، وأحسن الهدي هدي محمد، ألا وإياكم ومحدثات الأمور، فإن شر الأمور محدثاتها، وكل محدثة بدعة، وكل بدعة ضلالة'' رواه ابن ماجه۔ (سنن ابن ماجه، رقم الحديث ٤٦)

''عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بس دو ہی چیزیں ہیں: کلام اور ہدایت۔ بہترین کلام اللہ کا کلام ہے اور بہترین ہدایت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایت ہے۔ خبردار (دین میں) نئی چیزوں سے بچو، یقیناً بدترین کام (دین میں) نئی چیزیں ایجاد کرنا ہے۔ ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ اسے ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔''

ھذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب

مجموعہ مقالات، وفتاویٰ

صفحہ نمبر142

محدث فتویٰ